

## کاروبار میں اسلام کی رہنمائی - ۲

ڈاکٹر محمد واسع ظفر<sup>○</sup>

کاروباری زندگی میں قدم قدم پر لالچ، حسرتیں اور اندیشے پیچھا کرتے ہیں، جن سے مجبور ہو کر کاروباری حضرات بعض مزید ناپسندیدہ افعال میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

کم نفع پر اکتفا کرنا

مسلمان تاجروں کو چاہیے کہ وہ کم نفع پر صبر کی روش اختیار کریں اور اپنی تجارت میں جذبہ احسان کو پیش نظر رکھیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے“ (النحل: ۱۶: ۹۰)، اور فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے“ (الاعراف: ۷: ۵۶)۔ اس لیے ضرورت مند خریدار اگر اپنی ضرورت کے تحت زیادہ نفع دینے پر بھی تیار ہو، تو بھی جذبہ احسان کا تقاضا یہ ہے کہ زیادہ نفع نہ لے۔ کم نفع لے کر زیادہ مال فروخت کرنا ایک ایسی پالیسی ہے جس سے تجارت کافی ترقی کرتی ہے۔ سلف صالحین کی عادت بھی یہی تھی کہ کم نفع پر زیادہ مال فروخت کرنے کو، زیادہ نفع حاصل کرنے پر ترجیح دیتے تھے۔ حضرت علیؓ کو فہ کے بازار میں چکر لگاتے تھے اور فرماتے تھے کہ: ”اے لوگو! تھوڑے نفع کو نہ ٹھکراؤ کہ زیادہ نفع سے بھی محروم ہو جاؤ گے“۔ عبدالرحمن بن عوفؓ سے ایک بار لوگوں نے پوچھا کہ آپ کس طرح اتنے دولت مند ہو گئے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے تھوڑے نفع کو بھی کبھی رد نہیں کیا۔ جس نے بھی مجھ سے کوئی جانور خریدنا چاہا میں نے اسے روک کر نہ رکھا بلکہ فروخت کر دیا۔

ایک دن عبدالرحمن بن عوفؓ نے ایک ہزار اونٹ اصل قیمت خرید پر فروخت کر دیے اور بجز ہزار رسیوں کے کچھ نفع حاصل نہ کیا۔ پھر ہر ایک رسی ایک ایک درہم سے فروخت کی اور اونٹوں کے اس دن کے چارے کی قیمت ایک ہزار درہم ان کے ذمے سے ساقط ہو گئی۔ اس طرح

دو ہزار درہم کا انھیں نفع حاصل ہوا۔ (کیمیائے سعادت، ص ۲۸۰)

یہ ہے تجارت میں ترقی کا راز! لیکن اس سلسلے میں ہمارے یہاں بڑی بے صبری پائی جاتی ہے۔ ہم چند دنوں میں ہی لکھ بقی اور کروڑ بقی بن جانا چاہتے ہیں، جس کا نقصان سامنے آکر رہتا ہے، جب کہ بعض دوسری قوموں نے اس پالیسی کو اپنالیا ہے اور وہ اس کا خوب پھل کھا رہے ہیں۔ یہاں یہ واضح کر دینا بھی مناسب ہے کہ اگرچہ تاجر کو اپنی چیزوں کا نرخ (Rate) مقرر کرنے کا حق ہے اور فطری اصول و ضوابط کے تحت قیمتوں میں اضافہ کرنا بھی درست ہے، لیکن اتنا اضافہ جو غیر معمولی، غیر فطری، غیر مناسب اور غیر منصفانہ ہو اور جس سے صارفین کے استحصال کی صورت پیدا ہوتی ہو، درست نہیں۔ ایسی صورت میں حکومت وقت کو ایشیا کی قیمتوں پر کنٹرول کرنے کی حکمت عملی اپنانی چاہیے اور عوام کو تاجروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑنا چاہیے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رقم طراز ہیں: ”اگر ان (تاجروں) کی طرف سے (قیمتوں کے تعین میں) کھلا ظلم دکھائی دے، تو ان (قیمتوں) میں تبدیلی (یعنی کنٹرول) جائز ہے، کیونکہ یہ (غیر مناسب بھاؤ بڑھا دینا) فساد فی الارض ہے“۔ (حجة اللہ البالیغہ، بیروت، ۱۹۹۰ء، ج ۲، ص ۳۰۱)

اس عبارت کی تشریح میں مولانا سعید احمد پالن پوری لکھتے ہیں: ”اگر تاجروں کی طرف سے عام صارفین پر زیادتی ہو رہی ہو، اور زیادتی ایسی واضح ہو کہ اس میں کوئی شک نہ ہو، تو قیمتوں پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ایسے وقت بھی تاجروں کو ظالمانہ نفع اندوزی کی چھوٹ دینا اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو تباہ کرنا ہے“ (رحمة اللہ الواسعة بشرح حجة اللہ البالیغہ، دیوبند، ۲۰۰۳ء، ج ۴، ص ۵۹۸)۔ اس لیے تاجروں کو چاہیے کہ وہ قیمتوں کے تعلق سے بازار میں ایسی نامناسب صورت حال پیدا نہ کریں جو عوام کے لیے پریشانی کا باعث اور حکومتی مداخلت کا جواز فراہم کرے۔

#### دھوکا دہی سے پرہیز

تاجر کو چاہیے کہ خریدار کو کسی قسم کا دھوکا نہ دے، کیونکہ یہ خدمت اور حاجت روائی کے جذبے کے خلاف تو ہے ہی، دیانت داری کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے اگر اس کے سامان میں کسی قسم کا عیب ہو تو اس کو نہ چھپائے بلکہ سچائی کے ساتھ بیان کر دے۔ اگر چھپائے گا تو خیانت اور ظلم کا مرتکب ہوگا اور ایسی صورت میں خریدار کو شریعت کی رو سے یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ تاجر کو عیب دار مال

واپس کر دے اور اپنی رقم لے لے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے ہاتھ کوئی ایسی چیز فروخت کرے جس میں کوئی عیب ہو، الا یہ کہ اس کے سامنے اس (عیب) کو ظاہر کر دے“۔  
(سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، مَنْ بَاعَ عَتِيْبًا فَلَيْبِيْتَهُ، حدیث: ۲۲۴۶)

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ غیر مسلموں کو دھوکا دینا جائز ہے۔ یہاں مسلمان کا ذکر خصوصاً اس لیے فرمایا کہ مسلمان گاہک کے ایک مسلمان تاجر پر دھوکا دینا بہ نسبت ہونے کی حیثیت سے اور دوسرا مسلمان ہونے کی حیثیت سے۔ اس لیے اس کو دھوکا دینا بہ نسبت ایک غیر مسلم گاہک کو دھوکا دینے کے زیادہ برا ہے کیونکہ یہاں دو حقوق کی تعلق ہے ورنہ خیانت اور ظلم کسی کے ساتھ بھی روا نہیں۔ چنانچہ روایتوں میں بلا کسی تخصیص کے بھی اس عمل پر نکیر موجود ہے۔ مثال کے طور پر اس روایت کو ملاحظہ کیجئے: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلے کی ایک ڈھیری کے پاس سے گزرے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ اس کے اندر داخل کر دیا تو آپؐ کی انگلیوں نے گیلاین محسوس کیا۔ پس آپؐ نے فرمایا: ”اے غلے کے مالک! یہ کیا ہے (یعنی یہ تری اور نمی کیسی ہے)؟ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس پر بارش کی بوندیں پڑ گئی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا: تو تم نے اس (بھیگے ہوئے غلے) کو ڈھیری کے اوپر کیوں نہیں کر دیا تا کہ لوگ اسے دیکھ سکتے؟ (یاد رکھو!) جو شخص دھوکے بازی کرے وہ مجھ سے نہیں (یعنی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں)“۔ (مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی: مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا)

امام سلیمان بن احمد طبرانی نے اس روایت کے آخری اور کلیدی فقرے کو عبداللہ ابن مسعودؓ سے چند الفاظ کے اضافے کے ساتھ اس طرح روایت کیا ہے: مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا وَالْمَكْرُ وَالْحِدَاغُ فِي النَّارِ، یعنی جو شخص دھوکے بازی کرے وہ مجھ سے نہیں اور دغا بازی اور فریب کا انجام جہنم ہے۔ (المعجم الكبير للطبرانی، حدیث: ۱۰۲۳۴)

لہذا، ایک مسلمان تاجر کو چاہیے کہ وہ چند سکوں کی خاطر اپنی آخرت کو داؤ پر نہ لگائے اور یہ یقین رکھے کہ چال بازی سے رزق میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ الثامال سے برکت اٹھ جاتی ہے۔

ایسے شخص کی خیانت لوگوں میں مشہور ہو جاتی ہے اور گا ہک اس سے گریز کرنے لگتے ہیں، جس کے نتیجے میں اس کا کاروبار بھی خراب ہو جاتا ہے۔ اس لیے بجائے دھوکا دینے کے دیانت داری کے ذریعے گاہکوں کو اپنے اعتماد میں لینے کی سعی کرنی چاہیے، اور سامان میں اگر کوئی عیب ہو تو اسے واضح کر دینا چاہیے، تاکہ ان کو یہ یقین اور اطمینان ہو جائے کہ آپ انہیں کبھی دھوکا نہیں دے سکتے۔ بعض تاجر اپنے سامان کا نقص ظاہر نہیں کرتے بلکہ خریدار سے ہی یہ کہتے ہیں کہ: ”آپ خود اچھی طرح دیکھ لیں، اگر بعد میں کوئی نقص نکلا تو ہم ذمے دار نہیں ہوں گے“، حالانکہ یہ ان کے علم میں ہوتا ہے کہ سامان میں کس قسم کا نقص ہے۔ یہ طریقہ بھی خلاف شریعت ہے کیونکہ شارع نے عیب کو ظاہر کرنے کی ذمہ داری تاجر پر ڈالی ہے، جیسا کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت سے واضح ہے۔ ساتھ ہی تجارت کا نفع صرف اس شخص کے لیے جائز بتایا گیا ہے جو سامان کے بے عیب اور کارآمد ہونے کی ضمانت دے۔ جو شخص یہ ذمہ داری نہیں لے سکتا اس کے لیے اس چیز کا نفع درست نہیں۔ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: **وَلَا رَيْحٌ مَّا لَمْ يُظْمَرْ**، یعنی ”حلال نہیں نفع اس کا جس کا ضامن وہ (تاجر) نہیں“۔ (جامع ترمذی، حدیث: ۱۲۳۴، بروایت عبد اللہ بن عمروؓ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک غلام یا لونڈی کی بیع میں ایک خریدار کو تحریری ضمانت دینا حدیث کی کتابوں میں منقول ہے: **هَذَا مَا شَتَوَى الْعَدَاءُ بِنِ خَالِدِ بْنِ هُوْدَةَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ الْاَنْبِيَاءِ، اَشْتَوَى مَعَهُ عَبْدًا اَوْ اَمَةً، لَا دَاءَ وَلَا غَائِلَةَ وَلَا حَيْثَةَ، بَيْعِ الْمُسْلِمِ الْمُسْلِمِ،** یعنی ”یہ بیع نامہ ہے ایک ایسی چیز کا جو عداء بن خالد بن ہوذہ نے اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے خریدی ہے۔ انہوں نے آپ سے ایک ایسا غلام یا لونڈی خریدی ہے جس میں نہ تو کوئی بیماری ہے، نہ بھگڑا پن اور نہ کوئی (اور) خباثت (یعنی اخلاقی برائی) ہے۔ یہ ایک مسلمان کی مسلمان کے ساتھ بیع ہے“۔ (جامع ترمذی، حدیث: ۱۲۱۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قسم کی تحریر لکھ کر دینا امت کی تعلیم کے لیے ہی تھا ورنہ صحابہ کرامؓ میں سے کون ایسا فرد ہوگا، جسے آپ کی باتوں پر اعتماد نہ ہو۔ آج کے دور میں رسید اور وارنٹی کے کاغذات (warranty paper) کا دیا جانا تعلیم نبویؐ کی رو سے ایک مستحسن عمل ہے، جس میں اس بات کی گنجائش موجود رہتی ہے کہ بعد میں سامان میں کوئی نقص سامنے آجائے تو

خریدار ثبوت کے ساتھ فروخت کنندہ یا اس کی کمپنی سے رجوع کر سکے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہے کہ تجارت کی بعض شکلیں ایسی ہیں، جن میں فی نفسہ دھوکا موجود ہوتا ہے، جیسے پانی میں موجود مچھلی کی بیج کہ اس میں بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں میں سے کسی فریق کو حتمی طور پر یہ پتا نہیں ہوتا کہ اس میں مچھلی کی مقدار کتنی ہے؟ لہذا، ہر فریق کے دھوکا دینے یا کھانے کا امکان ہے۔ اس طرح کی بیج جس میں بیجی جانے والی چیز اپنی جنس، ذات، مقدار اور اوصاف کے لحاظ سے مبہم اور مجہول ہو، متعین اور واضح نہ ہو، یا بیچنے والے کے قبضہ و قدرت سے باہر ہو اور اس کی سپردگی ممکن نہ ہو، اس کو شریعت کی اصطلاح میں 'بیع غرر' (Deceptive Transaction) کہا جاتا ہے۔ اس کی دوسری مثالوں میں شامل ہیں؛ غائب جانور یا فضا میں اڑتے ہوئے پرندے کی بیج، دودھ کی بیج جو جانور کے تھن میں ہی ہو وغیرہ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: **بَهْلَى رَسُوْلُ اللّٰهِ عَنِ بَيْعِ الْمُحْتَصَاةِ وَ عَنِ بَيْعِ الْغَوْرِ (مسلم، کتاب البیوع)، یعنی 'رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع حصات اور بیع غرر سے منع فرمایا ہے'۔ یہاں 'بیع حصات' سے مراد وہ بیج ہے جو کنکری پھینک کر طے کی جائے۔ یہ بھی دھوکے کی ایک شکل ہے۔ اس لیے ممنوع ہے۔**

دودھ دینے والے جانوروں کی بیج میں بھی دھوکے کی ایک صورت اس طرح پیدا کی جاتی ہے کہ گاہک کے سامنے پیش کرنے سے ایک یا دو روز قبل سے ہی اس کا دودھ دوہنا بند کر دیتے ہیں تاکہ اس کے تھن بھرے نظر آئیں اور گاہک یہ تاثر لے کہ جانور بہت زیادہ مقدار میں دودھ دینے والا ہے، جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ گاہک مغالطے میں آ کر معاملہ کر لیتا ہے لیکن ایک سے دو دنوں میں ہی حقیقی صورت حال اس پر واضح ہو جاتی ہے۔ اس طرح کی بیج کو شرعی اصطلاح میں 'بیع مصراہ' کہا گیا ہے جو کہ ممنوع ہے اور اس کے نتیجے میں دھوکا کھائے ہوئے خریدار کو شریعت نے اس بات کا اختیار دیا ہے کہ وہ بیج کو منسوخ کر دے اور جانور واپس کر کے اپنی رقم لے لے۔ اس اختیار کو شرعی اصطلاح میں 'خیار تدلیس' کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **'اَوْثَنِي اَوْ بَكْرِي كَتَحْتُوں مِيں دودھ کو روک کر نہ رکھو، اگر کسی نے (دھوکے میں آ کر) کوئی ایسا جانور خرید لیا تو اسے دودھ دوہنے کے بعد دونوں**

اختیارات ہیں؛ چاہے تو جانور کو رکھ لے اور چاہے تو واپس کر دے اور ایک صاع کھجور اس کے ساتھ دے دے۔“ (بخاری، حدیث: ۲۱۴۸، بروایت ابو ہریرہؓ)

ایک روایت کے مطابق لوٹانے کا یہ اختیار خریدار کو تین دنوں تک ہے: مَنِ ابْتِئَاعَ شَاةً مُّصَرَّاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، إِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا، وَرَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ، یعنی ”جس نے ایسی بھیڑ (یا بکری) خرید لی، جس کا دودھ روکا گیا ہو، تو اسے تین دن تک اس کے بارے میں اختیار ہے، اگر چاہے تو رکھ لے اور چاہے تو واپس کر دے اور اگر لوٹائے تو اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی دے۔“ (مسلم، کتاب البیوع، حدیث: ۳۸۳۱/۲۴)

ایک صاع کھجور کے ساتھ جانور اس کے مالک کو لوٹانے کا حکم غالباً اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ خریدار نے اس کے دودھ سے فائدہ اٹھایا ہے اور بعضوں نے یہ کہا کہ یہ ازراہ احسان یا تالیفِ قلب کے لیے ہے، کیونکہ دودھ کے لیے تو خریدار نے جانور کو چارہ بھی ڈالا ہوگا اور الخراج بالضممان کے اصول کے مطابق حساب تو برابر ہو چکا۔ اور کھجور کی تخصیص اس لیے کی گئی کیونکہ یہ اس وقت وہاں کی عام غذا تھی۔ اس لیے یہ کوئی ضروری نہیں کہ ایک صاع کھجور ہی دی جائے بلکہ ہر زمانے میں اپنے اپنے ملکی دستور کے مطابق خوردنی غلہ اسی وزن سے یا اس کی قیمت کے برابر رقم بھی دی جاسکتی ہے۔

اسی طرح درختوں اور باغات کو پھلوں کے نمودار ہونے سے پہلے ان کی امید پر ایک سال یا زیادہ مدت کے لیے بیچنا بھی ممنوع ہے کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ درختوں میں پھل نہ آئے یا آنے کے بعد پختگی سے پہلے ہی کسی آفت، مثلاً آندھی، بارش یا ژالہ باری کا شکار ہو جائے۔ اس طرح کی بیچ کو حدیث میں ’معاومت‘ کہا گیا ہے اور اس سے روکا گیا ہے، نیز پھل لگنے کے بعد بھی اس وقت تک خرید و فروخت سے منع کیا گیا ہے، جب تک ان کی پختگی ظاہر نہ ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تک پھلوں کی بیچ سے منع فرمایا ہے جب تک کہ ان کی پختگی ظاہر نہ ہو جائے۔ یہ ممانعت بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کے لیے ہے۔“ (بخاری، حدیث: ۲۱۹۴)

دوسری روایت حضرت انسؓ سے یوں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ’زھو‘ سے پہلے پھلوں کی بیچ سے منع فرمایا ہے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ ’زھو‘ کسے کہتے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا:

”یہاں تک کہ سرخ ہو جائے (یعنی پکنے پر آجائے)۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ”تم ہی بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ پھلوں کو روک دے (یعنی پکنے سے روک دے یا کسی آفت کے ذریعے ضائع کر دے) تو تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا مال کس بنا پر لے گا؟“ (بخاری، کتاب البیوع، حدیث: ۲۱۹۸)۔ اس لیے باغات کے مالکوں اور پھلوں کے تاجروں کو چاہیے کہ وہ پھلوں کے پختہ ہونے تک صبر و انتظار کریں اور اس کے بعد ہی خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کریں۔

#### جھوٹ سے پرہیز

تجارت میں جھوٹ سے بھی پرہیز لازمی ہے۔ دور حاضر کی تجارت میں لوگ اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ غیروں کی تو بات ہی کیا بعض سادہ لوح مسلمان بھی ایسا خیال رکھتے ہیں۔ یاد رہے کہ جھوٹ بولنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کا اعلان قرآن کریم میں موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لَعْنَتٌ لِّلَّذِينَ عَلَيَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (ال عمران: ۶۱) ”جو جھوٹا ہو اُس پر خدا کی لعنت ہو“۔

رسول پاکؐ سے بھی دروغ گوئی کی مذمت میں بہت سے اقوال منقول ہیں، مثلاً ان کے یہ بھی ہے کہ اس کو منافقین کی صفت بتایا ہے۔ اب اس روایت کو دیکھیں: حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے کہ بیع و شرا کرنے والے فریقین (بائع اور مشتری) کو اختیار ہے (فسخ بیع کا) جب تک جدانہ ہوں۔ پھر اگر وہ دونوں بیع بولیں اور حقیقت واضح کر دیں (یعنی جو کچھ عیب ہے سامان میں یا قیمت میں) تو ان کی بیع میں برکت ڈال دی جاتی ہے، اور اگر وہ جھوٹ بولیں اور چھپائیں (عیوب کو) تو ان کی بیع سے برکت ختم کر دی جاتی ہے۔ (مسلم، کتاب البیوع)

اس طرح جھوٹ کا نتیجہ تجارت میں بے برکتی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا، مراد یہ ہے کہ جو جھوٹ کی لعنت سے اپنی تجارت کو پاک نہیں کرتے، ان کی تجارت کو فروغ نہیں ہوگا۔ یہ تو دنیا کا نقصان ہے، اب ذرا آخرت سے متعلق وعید بھی ملاحظہ کیجیے۔ حضرت رفاعہ بن رافع انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تا جہر لوگ قیامت کے دن فاجر اور گنہگار اٹھائے جائیں گے، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے (اپنی تجارت میں) تقویٰ اور نیکی اور سچائی کی روش اختیار کی“ (مسند ترمذی، کتاب البیوع، حدیث: ۱۲۱۳)۔ اس سلسلے میں ایک بات اور ذہن نشین رہنا ضروری ہے کہ کسی سامان کی اصل نوعیت سے زیادہ تعریف بھی جھوٹ میں شامل

ہے، لہذا، اس سے بھی پرہیز لازم ہے۔

#### قسم کھانے سے اجتناب کرنا

کچھ تاجروں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ گاہکوں کو مطمئن کرنے کے لیے بات بات پر قسمیں کھاتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا ہے: **إِيْاَكُمْ وَ مَقْتَرًا** **الْحَلِيْفِ فِي الْمَيْبِيعِ، فَإِنَّهُ يَمْتَقِنُ ثُمَّ يَمْتَحِقُ،** یعنی ”تم بیع میں بہت قسمیں کھانے سے اجتناب کرو۔ اس لیے کہ وہ (اولاً) مال کو تو نکوادیتی ہے (فروخت کروادیتی ہے) پھر (اس کی برکت کو) مٹا دیتی ہے۔ (مسلم، کتاب الْمُسْتَأْقَاةِ وَالْمُرَاةِ، بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْحَلْفِ فِي الْمَيْبِيعِ، بروایت ابو قتادہؓ)۔ اسی طرح آپ فرماتے تھے: **الْحَلِيْفُ مَتَفَقَّةٌ لِلْمَيْبِيعَةِ مَحْقَقَةٌ لِلْمَيْبِيعِ،** یعنی ”قسم مال کو نکالنے والی ہے اور (بعد از اس) نفع کو مٹانے والی ہے“۔ (مسلم، کتاب الْمُسْتَأْقَاةِ وَالْمُرَاةِ، بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْحَلْفِ فِي الْمَيْبِيعِ، بروایت ابو ہریرہؓ)۔ بخاری میں الفاظ ہیں: **الْحَلِيْفُ مَتَفَقَّةٌ لِلْمَيْبِيعَةِ مَحْقَقَةٌ لِلْمَيْبِيعَةِ،** یعنی ”قسم مال کو نکالنے والی ہے اور (بعد از اس) برکت کو مٹانے والی ہے“۔ (بخاری، کتاب المبيع، بَابُ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا أَوْ رِبِي الصَّنْفِ، حدیث: ۲۰۸۷)

ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ قسم کھانے سے گرچہ ابتدا میں خریدار بھروسہ کر لیتا ہے اور مال نکل جاتا ہے، لیکن آئندہ نقصان لاحق ہوتا ہے کیوں کہ لوگ اس کی اس عادت سے واقف ہو جاتے ہیں اور اس کی قسموں پر یقین کرنا بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ دوسری برائی اس میں یہ ہے کہ دنیوی مفاد اور معمولی نفع کی خاطر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بابرکت نام کو بیجا جاتا ہے، جو کہ ایک طرح سے اس کے پاکیزہ نام کی بے حرمتی ہے اور بقول رسول رحمت اسی وجہ سے برکت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ سب نقصانات تو تب ہیں جب کہ قسم سچی ہو، اگر جھوٹی قسم کھائی تو اور بھی برا ہے۔

علمائے اسے گناہ کبیرہ بتایا ہے۔ رسول پاکؐ سے بھی اس سلسلے میں سخت وعید مروی ہے۔ حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ”تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ تو کلام فرمائے گا، نہ ان کی طرف (نظر کرم سے) دیکھے گا، اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا، اور ان (تینوں) کے لیے دردناک عذاب ہے۔ حضرت ابو ذرؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون شخص ہیں؟ وہ تو نامراد ہو گئے اور خسارے میں پڑ گئے۔ آپ نے فرمایا: اپنے آزار کو ٹخنوں



سے نیچے لٹکانے والا، اپنی عطا کردہ چیزوں پر احسان جتانے والا، اور جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا مال تجارت فروخت کرنے والا۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، حدیث: ۲۲۰۸)

#### جعلی کرنسی چلانے سے پرہیز

بعض لوگ منظم ڈھنگ سے جعلی کرنسی کا دھندا چلا رہے ہیں اور بعض نادانی میں اس کا شکار ہو رہے ہیں۔ جو لوگ اس سازش کا شکار ہو جاتے ہیں وہ بھی اپنے نقصان کی تلافی کے لیے کسی دوسرے کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح فریب دہی کا یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اس عمل کے ذریعے دوسرے کا مال بالکل ناحق اور باطل طریقے سے کھایا جاتا ہے جس سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَ لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ** (البقرہ ۲: ۱۸۸) یعنی ”آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ“۔ اس لیے ایسے پیسوں سے حاصل کیا گیا مال بالکل حرام ہے۔

دوسرے یہ کہ اس اصول کے تحت جس نے کسی گناہ کا کام جاری کیا، اس کو ان تمام لوگوں کے گناہ کے برابر گناہ حصے میں آئے گا، جو قیامت تک اس پر عمل کریں گے۔ بازار میں جعلی کرنسی چلانے والے کو بھی ان تمام لوگوں کے گناہ کے برابر گناہ ملے گا، جو سلسلے کے اخیر تک اس میں شریک ہوں گے۔ اسی لیے امام غزالیؒ نے کسی بزرگ کا مقولہ نقل کیا ہے کہ ایک کھوٹا درہم بازار میں چلانا سو درہم چرانے سے بدتر ہے، کیوں کہ چوری کا گناہ تو اسی وقت تک ہے، جب کہ کھوٹے پیسے یا جعلی کرنسی چلانے کا گناہ ممکن ہے موت کے بعد تک جاری رہے۔ اور وہ شخص بڑا ہی بدنصیب ہے جو خود تو مرجائے، مگر اس کا گناہ نہ مرے اور اس گناہ کا مدتوں تک دنیا میں موجود رہنا ممکن ہے، اور ایسے شخص کو جس نے اس کی ابتدا کی قبر میں عذاب ہوتا رہے گا۔ اس لیے ان کی رائے میں تاجر کے لیے کھوٹے سٹکے اور جعلی نوٹ کو پہچاننے کا ہنر جاننا واجب ہے۔ یہ اس لیے نہیں کہ وہ خود دھوکا نہ کھائے بلکہ اس لیے کہ لاعلمی میں وہ کسی اور کو دھوکا نہ دے دے۔ اگر کوئی خود دھوکا کھائے تو اسے چاہیے کہ خود اپنے نقصان پر صبر کر لے اور اس نوٹ کو ضائع کر دے تاکہ اس کے بعد فریب دہی کا یہ سلسلہ جاری نہ رہے۔ (کیمیائے سعادت، ص ۲۷۴)

### ماپ تول کر لین دین کرنا

تاجروں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ بھی ہے کہ وہ خرید و فروخت میں چیزوں کا تبادلہ ماپ تول کر ہی کریں۔ حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تو کوئی چیز بیچا کرے تو تول کے دیا کر اور جب تو کوئی چیز خریدے تو اسے بھی تول لیا کر (بخاری، کتاب المبیوع، باب الْكَيْلِ عَلَى الْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِي). رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں دو حکمتیں پوشیدہ ہیں: ایک تو اس سے دھوکا دہی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور دوسرے اس میں مستقبل میں رونما ہونے والے آپس کے اختلافات اور فتنوں سے حفاظت ہے۔ ساتھ ہی ایسے لین دین میں برکت کی بشارت بھی ہے۔

حضرت مقدم بن معدیکربؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ”اپنے اناج کو ماپ لیا کرو، اس میں تم کو برکت ہوگی“۔ (بخاری، کتاب المبیوع، باب مَا يُشْتَكَّ مِنْ الْكَيْلِ، حدیث: ۲۱۲۸)۔ اس لیے تاجروں کو چاہیے کہ اپنی تجارت میں اس اصول کا پورا لحاظ رکھیں۔ تاہم، جو چیزیں تول کر نہیں بلکہ گنتی سے فروخت ہوتی ہیں، ان میں اس حکم کا اطلاق گنتی پر ہی ہوگا۔ اسی سے یہ اصول بھی اخذ ہوتا ہے کہ آپس میں پیسے کا لین دین بھی گن کر ہی کرنا چاہیے۔

قرآن پاک کے علاوہ رسول پاکؐ سے بھی دروغ گوئی کی مذمت میں بہت سے اقوال منقول ہیں، مگر ان کے یہ بھی ہے کہ اس کو منافقین کی صفت بتایا ہے۔ حضرت حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے کہ بیع و شرا کرنے والے فریقین (بائع اور مشتری) کو (بیع کا) اختیار ہے، جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں۔ پھر اگر وہ دونوں بیع بولیں اور واضح کر دیں حقیقت کو (یعنی جو کچھ عیب ہے سامان میں یا قیمت میں) تو ان کی بیع میں برکت ڈال دی جاتی ہے، اور اگر وہ جھوٹ بولیں اور چھپائیں (عیوب کو) تو ان کی بیع سے برکت ختم کر دی جاتی ہے۔ (مسلم، کتاب المبیوع)

حضرت رفاعہ بن رافع انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تاجر لوگ قیامت کے دن فاجر اور گنہگار اٹھائے جائیں گے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے (اپنی تجارت میں) تقویٰ اور نیکی اور سچائی کی روش اختیار کی“۔ (سنن ترمذی، کتاب المبیوع)

اب اگر کوئی قیامت میں فاسق و فاجر اٹھایا جائے تو اس کا جو حشر ہوگا اسے بہ آسانی قیاس

کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک بات اور ذہن نشین رہنا ضروری ہے کہ کسی سامان کی اصل نوعیت سے زیادہ تعریف بھی جھوٹ میں شامل ہے، لہذا اس سے بھی پرہیز لازم ہے۔

#### ماپ تول میں کمی نہ کرنا

ماپ تول میں کمی کرنا بھی ایک بدترین اخلاقی بیماری ہے، جو آج کے بازار کے نظام میں ایک وبا کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ یہ بدترین قسم کی خیانت ہے کہ پیسے تو پورے لیے جائیں اور چیز کم دی جائے۔ قرآن کریم میں اس کی سخت الفاظ میں مذمت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”بڑی خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی، کہ جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب انھیں ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کیا ایسے لوگ یہ خیال (بھی) نہیں کرتے کہ وہ (مرنے کے بعد زندہ) اٹھائے جانے والے ہیں؟ ایک عظیم دن (کی پیشی) کے لیے جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے“۔ (المطففین: ۸۳-۶)

مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی حرکت وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور یومِ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کا یقین نہیں۔ دوسری جگہ صحیح وزن کرنے کی تاکید ان الفاظ میں کی گئی ہے: ”اور جب (کوئی چیز کسی کو) ماپ کر دینے لگو تو بھر پور پیمانے سے ماپو اور (جب تول کر دو تو) سیدھی ترازو سے تولو کرو، یہ (فی نفسہ بھی) بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت اچھا ہے“۔ (بنی اسرائیل: ۳۵)۔ اس میں ایک بہتری تو اجر و ثواب کے لحاظ سے ہے جس کا انجام جنت ہے، اور دوسری بہتری تجارت کے فروغ کے اعتبار سے ہے کہ ناپ تول میں دیانت داری سے گاہوں میں دیر تک اعتماد پیدا ہوتا ہے۔

ان دو کے علاوہ قرآن کریم میں چند دیگر مقامات پر بھی ماپ تول میں دیانت داری اختیار کرنے کی تاکید ملتی ہے، مثلاً الانعام ۶: ۱۵۲، الرحمٰن ۵۵: ۷-۹، الاعراف ۷: ۸۵، ہود ۱۱: ۸۳-۸۶ وغیرہ جس سے اس مسئلے کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ سورہ اعراف اور سورہ ہود کی مذکورہ آیات میں یہ ہدایت حضرت شعیبؑ کے تذکرے میں ملتی ہے، کیونکہ ان کی قوم میں بھی یہ برائی عام تھی جس کی اصلاح کی فکر حضرت شعیبؑ نے کی، لیکن جب وہ نہیں مانے تو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی نازل ہوا۔ اسی لیے رسول اکرمؐ نے اپنی امت کو اس سے متنبہ فرمایا کہ اس لعنت میں گرفتار ہو کر

کہیں وہ بھی غضب الہی کا شکار نہ ہو جائیں۔ آپؐ نے ناپ تول کرنے والوں سے فرمایا: ”تم لوگ دو ایسے کام کے ذمے دار بنائے گئے ہو (یعنی ماپنا اور تولنا) جن میں (کو تا ہی کے سبب) تم سے پہلے کی (بعض) اُمّتیں ہلاک ہو گئی ہیں“ (مسند ترمذی، ابواب البیوع، حدیث: ۱۲۱۷/۱۲۱۸)۔ آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: جب کوئی قوم ماپ تول میں کمی کرتی ہے تو وہ قحط سالی، روزگار کی تنگی اور بادشاہ (حکمران وقت) کے ظلم و ستم میں مبتلا کر دی جاتی ہے۔ (مسند ابن ماجہ، کتاب الفتن، حدیث: ۴۰۱۹)

اس لیے ایک مومن تاجر کو چاہیے کہ وہ اس سلسلے میں احتیاط برتے، دیانت داری کا رویہ اپنائے اور چند سکوں کی خاطر اللہ واحد القہار کے عذاب کا خود کو مستحق نہ بنائے۔

#### جھکتی ڈنڈی تولنا

کم تولنے کو اسلام میں جہاں ناپسند کیا گیا ہے، وہیں جھکتا تولنے کو پسند کیا گیا ہے کیوں کہ اس میں ایثار اور احتیاط دونوں ہی پہلو شامل ہیں۔ نبی کریمؐ سے اس سلسلے میں ہدایات بھی منقول ہیں۔ حضرت سوید بن قیسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اور مخرفہ عبدی نے حجر (بحرین کے ایک شہر) سے کچھ کپڑے خریدے اور اسے مکہ لے کر آئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس پیدل تشریف لائے اور ہم سے ایک پانچامہ کا سودا کیا، جو ہم نے آپؐ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ وہاں ایک شخص تھا جو اُہرت لے کر مال وزن کیا کرتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: زِنْ، وَأُزِجْ، یعنی ”وزن کرو اور جھکتی ڈنڈی تولو“۔ (مسند ابی داؤد، کتاب البیوع، حدیث: ۳۳۳۶)

دوسری روایت حضرت جابرؓ سے ملتی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: إِذَا وَزَنْتُمْ فَأَرْجَحُوا یعنی ”جب تم تولو، تو جھکتا ہوا تولو“۔ (مسند ابن ماجہ، کتاب التجارات، حدیث: ۲۲۲۲)۔ ان احادیث کی بنیاد پر علمائے جھکتی ڈنڈی تولنے کو مستحب کہا ہے۔ اس لیے تاجروں کو چاہیے کہ کسی کو سامان دیتے وقت اس اصول کو بھی مد نظر رکھیں۔

#### ذخیرہ اندوزی سے پرہیز

تجارت میں زیادہ نفع خوری کے لیے ایک حربہ یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ضروری اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کر کے بازار میں مصنوعی قلت پیدا کر دی جاتی ہے، جس سے مہنگائی بڑھ جاتی ہے اور چیزوں کے نرخ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر گراں بازاری کے اس موقع سے ذخیرہ اندوز تاجر

خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ فقہی اصطلاح میں اس عمل کو 'احتکار' کہا جاتا ہے، جو شرعی نقطہ نظر سے حرام اور انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے کیوں کہ اس میں انسانوں کی خدمت اور حاجت روائی کے جذبے کے بجائے ضرر رسانی اور استحصال کا جذبہ داخل ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **مَنْ اَحْتَكِرَ فَهُوَ خَاطِئٌ**، یعنی "جس نے ذخیرہ اندوزی کی وہ گناہ گار ہے" (مسلم، بروایت معمر بن عبد اللہ)۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: **لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ**، یعنی "گناہ گار کے سوا کوئی اور شخص ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا" (مسلم، بروایت معمر بن عبد اللہ)۔ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے: **الْجَالِدُ مَرْزُوقٌ وَالْمَحْتَكِرُ مَلْعُونٌ**، "جالب (دوسرے شہروں سے غلہ وغیرہ لاکر بازار میں بیچنے والا تاجر) مرزوق ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے رزق دیا جاتا ہے)، اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق اور اس کی رحمت سے دُور ہے)"۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث: ۲۱۵۳، بروایت عمر بن الخطاب)

آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ جو شخص مسلمانوں سے غلے کا احتکار کرتا ہے (یعنی ان سے غذائی اشیاء روک کر بعدہ گراں نرخ پر ان کے ہاتھ فروخت کرتا ہے) اللہ تعالیٰ اسے جدام اور افلاس میں مبتلا کر دیتا ہے (سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، حدیث: ۲۱۵۵، بروایت عمر بن الخطاب)۔ آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ جس شخص نے ۴۰ دن تک گرائی کے خیال سے غلے کو روک رکھا، وہ اللہ تعالیٰ سے بے زار ہوا اور اللہ اس سے بے زار ہوا۔ (مسند احمد، حدیث: ۴۹۹۰، بروایت عبد اللہ بن عمر)۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ: جس شخص نے گراں فروشی کی نیت سے غلے کو ۴۰ دن تک روک رکھا اور پھر اسے (اللہ کی راہ میں) صدقہ کر دیا تو (بھی) وہ اس کے (اس گناہ) کے لیے کفارہ نہیں ہوگا۔ (مشکوٰۃ الحصابیح، کتاب البیوع، باب الاحتکار، حدیث: ۲۸۹۸، بروایت ابوامامہ)

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے ذخیرہ اندوزی کی مذمت واضح ہے۔ اس کے برعکس حاجت روائی کی نیت سے تجارت کرنے والے تاجر کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ: جس نے اناج خریدا اور کسی شہر میں لے گیا اور مروجہ نرخ پر فروخت کر دیا، وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے وہ سارا اناج خیرات کر دیا۔ (احیاء علوم الدین، ص ۵۱۶)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ زمانہ قدیم میں ذخیرہ اندوزی عام طور سے غلے کی ہی ہوا کرتی تھی۔ اس لیے مذکورہ بالا احادیث میں غلے کا ہی ذکر ہے۔ اسی لیے احتکار کا اطلاق علما عام طور سے غذائی اجناس کی ذخیرہ اندوزی پر ہی کرتے آئے ہیں۔ اس لیے ایسی اشیا کی ذخیرہ اندوزی کو جو غذائی ضرورت میں استعمال نہیں ہوتی، بعض علما نے حرام نہیں کہا ہے۔ (مظاہر حق، جلد ۳، ص ۵۲۲)

تاہم، اس سلسلے میں چند اہم نکات پر غور کرنا ضروری ہے۔ اول یہ کہ ذخیرہ اندوزی خواہ کسی بھی چیز کی ہو، اس میں استحصال اور موقع پرستی کا جذبہ شامل ہوتا ہے اور یہ انسانی حاجت روائی اور نفع رسانی کے جذبے کے خلاف ہے۔ دوم یہ کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے مزاج کے بھی خلاف ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ معاشی نظام ایسا ہو جس میں عوام خصوصاً غریبوں اور کم آمدنی والوں کا زندگی گزارنا دشوار نہ ہو۔ اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ہر قسم کی ذخیرہ اندوزی سے بچنا چاہیے۔ رہا علما کا مذکورہ بالا فتویٰ، تو یہ جاننا چاہیے کہ فتویٰ تو ظاہر پر ہوا کرتا ہے۔ اسی لیے امام غزالی نے فرمایا: ”بہت سے معاملات ایسے ہیں جن میں فتویٰ تو ہم یہی دیں گے کہ یہ درست ہے، لیکن اس معاملے کا مرتکب (اللہ تعالیٰ کی) لعنت میں گرفتار ہوگا، اور یہ وہ معاملہ ہے جس میں مسلمانوں کو تکلیف و نقصان پہنچتا ہو“ (کیمیائے سعادت، ص ۲۷۲)۔ اس لیے موجودہ دور میں رائج گھریلو استعمال کے لیے سلنڈروں میں گیس، چولہا جلانے کے لیے مٹی کا تیل اور ڈیزل، پھر دوا وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی بھی قابل ملامت فعل ہے۔

#### خرید و فروخت میں نرمی کا رویہ

یوں تو اسلام میں نرمی اور خوش خلقی کا رویہ اختیار کرنے کی عمومی تعلیم دی گئی ہے لیکن تجارت کے شعبے میں اسے خصوصاً پسند کیا گیا ہے۔ رسول اکرم نے ایسے تاجر کے لیے جو خرید و فروخت میں نرمی کا رویہ اختیار کرتا ہے، دعا فرمائی ہے: ”اللہ تعالیٰ اُس شخص پر رحم فرمائے جو بیچتے وقت، خریدتے وقت اور تقاضا کرتے وقت فیاضی اور نرمی سے کام لیتا ہے“۔ (بخاری، کتاب البیوع، بروایت جابر بن عبد اللہ، حدیث: ۲۰۷۶)

ایک روایت کے مطابق: آپ نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے نرمی اور خوبی سے بیچنے کو، نرمی سے خریدنے کو، اور نرمی و آسانی سے قرض ادا کرنے کو“۔ (سنن ترمذی، کتاب

اللبیوع، حدیث: ۱۳۱۹، بروایت ابو ہریرہؓ)۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو جو تم سے قبل (امت سے) تھا بخش دیا (اس لیے کہ) وہ آسانی اور نرمی کرتا تھا۔ جب (کچھ) بیچتا تھا تو آسانی اور نرمی کرتا تھا۔ جب (کچھ) خریدتا تھا، اور آسانی اور نرمی کرتا تھا، جب (قرض کی ادائیگی کا) تقاضا کرتا تھا۔ (حوالہ سابق، حدیث: ۱۳۲۰، بروایت جابرؓ)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل کر دیا اس شخص کو جو بیچنے اور خریدنے میں نرمی کا معاملہ کیا کرتا تھا۔“ (سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، حدیث: ۲۲۰۲)

ان روایتوں کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مسلمان تاجر کو خرید و فروخت میں نرمی ہی کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ حقیقت میں یہ ایک ایسی پالیسی ہے جس کے ذریعے ایک تاجر بہت کم وقفے میں گاہکوں میں اپنی ساکھ قائم کر سکتا ہے اور اس کی تجارت چمک سکتی ہے۔ اس طرح تجارت میں اس سنت کو اپنانے سے دنیوی اور اخروی دونوں فوائد ہیں۔ لیکن افسوس کا پہلو یہ ہے کہ مسلمان تاجر عام طور سے اس صفت سے خالی نظر آتے ہیں، جب کہ دوسری قوموں کے اکثر تاجروں نے اس پالیسی کو سختی سے اپنارکھا ہے جس کے دنیوی ثمرات سے وہ استفادہ کر رہے ہیں۔

#### فروخت کی بونی چیز واپس لینا

تجارت میں بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بیع کا معاملہ ہونے کے بعد خریدار سامان یا قیمت سے مطمئن نہ ہونے کی وجہ سے یا کسی اور مصلحت کی وجہ سے پشیمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور خریدی ہوئی چیز کو واپس کرنا چاہتا ہے، یا کبھی فروخت کرنے والا افسوس کرنے لگتا ہے کہ میں نے اتنی کم قیمت پر یہ سامان کیوں فروخت کر دیا اور اسے واپس لینا چاہتا ہے، تو ایسی صورت میں فریقین کو چاہیے کہ باہمی رضامندی سے اس معاملے کو ختم کر دیں، یعنی تاجر بکا ہو سامان واپس لے لے، یا خریدار خریدا ہو سامان واپس کر دے۔ اسے شریعت کی اصطلاح میں ’اقالہ‘ کہتے ہیں۔ اگرچہ ایسا کرنا فریقین پر واجب نہیں ہے، لیکن اس کا ثواب بہت زیادہ ہے کیونکہ ایسا کرنا احسان میں داخل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا أَقَالَ اللَّهُ عَقْبَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، یعنی جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کے ساتھ اقالے کا معاملہ کرے (یعنی اس کی بیچی ہوئی یا خریدی ہوئی چیز کی واپسی پر راضی ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ بخش دے گا (سنن ابن ماجہ،

کتاب التجارات، حدیث: ۲۱۹۹، بروایت ابو ہریرہؓ)۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ: ”جو شخص کسی بیع کو فسخ کر دے اور یہ تصور کر لے کہ میں نے بیع کی ہی نہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو ایسا جانتا ہے گویا اس نے گناہ کیے ہی نہیں“۔ (کیمیائے سعادت، ص ۲۸۲)

اس لیے مسلمان تاجروں کو چاہیے کہ ان فضیلتوں کے پیش نظر اس طرح کے معاملات میں احسان کی روش ہی اختیار کریں۔ بعض مسلم تاجر غیروں کی نقل میں اپنی دکان میں بکا ہوا سامان واپس نہیں ہوگا، کابورڈ لگا دیتے ہیں۔ گویا وہ علی الاعلان یہ کہہ رہے ہیں کہ اس سنت کی ان کے یہاں کوئی جگہ نہیں! یہ نہایت افسوس کی بات ہے۔ انھیں مذکورہ روایات پر غور کرنا چاہیے اور ایسے کسی موقعے کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے، کیونکہ ہر شخص گناہوں کی بخشش کا محتاج ہے۔

#### دخل اندازی سے احتراز

کسی دو شخص کے جائز تجارتی معاملے میں تیسرے کو مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ مداخلت کی ایک صورت یہ ہے کہ قیمت بڑھا کر اس چیز کو خریدنے کا اظہار کرے جس کا معاملہ زیر غور ہے، اس میں خریدار کے نقصان کا امکان ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خریدار سے یہ کہے کہ: ”بالکل یہی چیز یا اس سے بہتر میں آپ کو اس سے کم قیمت پر فراہم کر سکتا ہوں“۔ اگر آپ اس معاملے کو فسخ کر دیں، اس صورت میں بیچنے والے کے نقصان کا امکان ہے۔ یہ دونوں ہی صورتیں درست نہیں اور اگر مقصد خود خریدنا یا بیچنا نہ ہو صرف معاملے کو بگاڑنا ہو تو یہ اور بھی برا فعل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا يَبِيعُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، ”تم میں سے کوئی شخص کسی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے“ (بخاری، کتاب البیوع، حدیث: ۲۱۶۵)۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: لَا يَسِيرُ الْمُسْلِمُ عَلَى سَوِّهِمْ أَحْبَبَهُ، ”کوئی مسلمان اپنے بھائی کے سودے پر سودا بازی نہ کرے“ (مسلم، کتاب البیوع)۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کے بقول آپؐ نے فرمایا: ”کوئی شخص اپنے کسی (مسلمان) بھائی کے مول پر مول نہ کرے اور نہ بخش کرے“۔ (بخاری، کتاب البیوع، حدیث: ۲۱۶۰)

’بخش‘ اس عمل کو کہتے ہیں کہ دو افراد کے بیچ کوئی تجارتی معاملہ طے پارہا ہو اور تیسرا شخص آکر اس چیز کی بے جا تعریف کرنے لگے کہ جس کا معاملہ زیر بحث ہو، یا اس کی زیادہ قیمت لگا دے



اور اس کا مقصد خریدنا نہ ہو بلکہ اس خریدار کو گمراہ کرنا اور دھوکے میں ڈالنا ہو، تاکہ وہ اس چیز کی خریداری کی طرف راغب ہو جائے یا زیادہ قیمت دینے کو تیار ہو جائے۔ اس طرح کی دلالی کیسے درست ہو سکتی ہے، جب کہ اس میں اصل خریدار کو فریب دینے کی سازش کی جاتی ہے۔ اس لیے مذکورہ بالا احادیث کی بنیاد پر علمائے کسی دو شخص کے مابین جائز تجارتی معاملے میں مداخلت کی ذکر کردہ ہر صورت کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے، البتہ اگر کسی معاملے میں کوئی شرعی قباحت ہو، مثلاً کوئی شخص کسی کو نمین یا چوری کا مال بیچ رہا ہو، یا کسی اور قسم کا دھوکا دے رہا ہو، تو اس صورت میں مداخلت کر کے معاملے کو فسخ کر دینا اور ایک مسلمان کو نقصان سے بچانا جائز ہے۔

### اللہ کو یاد رکھنا

ایک مسلمان تاجر کو چاہیے کہ تجارت کی مشغولیت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی یاد اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہ ہو۔ صحابہ کرامؓ تجارت کیا کرتے تھے، مگر جب اللہ تعالیٰ کا کوئی فرض آن پڑتا تو کوئی تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے ان کو غافل نہ کرتی یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتے۔ اس بات کی تعریف اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی فرمائی۔ فرمایا: ”ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی“ (النور ۲۴: ۳۷)۔ آج ہم لوگ نماز جیسے اہم فریضے کی ادائیگی میں بھی اپنی تجارت کا حرج سمجھتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے شامل حال ہو سکتی ہے، جب کہ اس نے اپنی یاد کے لیے خصوصی طور پر اسے قائم کرنے کا حکم فرمایا ہے (حالانکہ ساری ہی عبادات اس کی یاد کے لیے ہیں)۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو“۔ (طہ ۲۰: ۲۰) اس حکم سے تقرب الہی کے حصول میں نماز کی اہمیت کا پتا چلتا ہے۔ اس لیے اس سے غفلت برتنا انتہائی خسارے کا سودا ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ اللہ رب العزت نے نماز کی وجہ سے رزق میں کسی قسم کے نقصان نہ ہونے کی ضمانت لی ہے بلکہ اس کے اہتمام پر رزق کا وعدہ بھی کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس پر ثابت قدم رہو، ہم تم سے رزق نہیں چاہتے، رزق تو ہم تمہیں دیں گے اور بہترین انجام تو پورہیزگاری ہی کا ہے“ (طہ ۲۰: ۱۳۲)۔ اس لیے بھی نماز کا اہتمام ضروری ہے اور جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت کو چھوڑ کر نماز کے لیے

دوڑ جانے (یعنی بلا تاخیر جانے) کا خصوصی حکم سورۃ الجمعہ (۹:۶۲) میں موجود ہے۔

ان اُمور کے اہتمام کے ساتھ اگر فارغ اوقات میں قرآن کی تلاوت کی جائے یا کوئی ذکر مسنونہ زبان پر ہمہ وقت جاری رہے، تو اور بھی برکت اور تقرب الہی کا ذریعہ ہوگا۔ سورۃ الجمعہ میں ہے: ”جب نماز [جمعہ] پوری ہو چکے تو تم زمین میں منتشر جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تمہیں فلاح نصیب ہو“ (الجمعة ۶۲:۱۰)۔ اس آیت میں بھی گویا یہ تلقین کی گئی ہے کہ حصول رزق کی سعی تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے نافل نہ کرے بلکہ ساری تگ و دو کے ساتھ کثرت سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ذکر ہی تمہیں فلاح و کامیابی سے ہمکنار کر سکتا ہے۔

چند کلمات ایسے ہیں جن کا پڑھنا کافی فضیلت رکھتا ہے۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بازار میں داخل ہو کر یہ کہے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْخَيْرُ كُلُّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ۱۰ لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ۱۰ لاکھ برائیاں اس کی مٹا دیتا ہے اور ۱۰ لاکھ درجے اس کے بلند کر دیتا ہے۔ (مسند ترمذی، کتاب الدعوات، حدیث: ۳۴۲۸)

امام ترمذیؒ کی اسی مضمون کی دوسری روایت کے آخر میں یہ ہے کہ: ”اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دیا جاتا ہے“ (حوالہ سابق، حدیث: ۳۴۲۹)۔ اس لیے تاجروں کو چاہیے کہ ان کلمات کا ضرور اہتمام کریں کہ اس میں نہ کوئی مشقت ہے اور نہ وقت فارغ کرنے کی ہی ضرورت۔ اور ان سب کا حاصل یہ ہے کہ ہر وقت اللہ رب العزت کا استحضار رہے۔

یہ ہیں کاروبار اور تجارت کے چند اہم اسلامی اصول! اگر ان کی رعایت کرتے ہوئے تجارت کی جائے گی تو بلاشبہ وہ تجارت دنیوی و اخروی اعتبار سے بڑی نفع بخش ثابت ہوگی لیکن ان کا اہتمام وہی لوگ کر سکتے ہیں، جنہیں اللہ عز و جل کے وعدوں اور اس کے رسولؐ کی خبروں پر کامل یقین ہو۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور اس کے رسولؐ کی خبروں کے حوالے سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہوں یا جنہیں شرعی احکام کی تعمیل میں تجارت کا نقصان نظر آتا ہو، ظاہر ہے ان سے ان اصولوں کی پاسداری کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے وہ تمام مسلمانوں کو ان کے تمام معاملات میں اپنے احکام اور اپنے حبیبؐ کی سنتوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!